جناب واصل عثمانی

مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری علم وفضل کے منارہ تھے‘ ان کی وفات سے دنیائے علم وعمل بے نور ہو کر رہ گئی ہے۔ نیوٹاؤن کی مسجد پر ہی نہیں‘ بلکہ تمام عالم اسلام پر ان کی وفات سے غم کے بادل چھا گئے۔ وہ ایک منبع علوم ومعارف تھے۔ عجز وانکسار کا نمونہ، صبر وتحمل کی روح، خلوص کا مجسمہ، حسن خلق کی جیتی جاگتی تصویر، آداب وخلوص کا پیکر اب روپوش ہو چکا ہے‘ مگر اس کی تعلیمات‘ ارشادات اور شحات قلم سارے کے سارے اس کی زندگی کی تفسیر ہیں جو رخشندہ وتابندہ رہیں گے۔ مولانا موصوف کی تعلیمات ان کے بعد ان کے بے شمار طلباء کے ذریعے پھیلتی رہیں گی‘ مگر اس مبدأ علم وفضل کی سی بات اب کہاں؟

مولانا کے علم وفضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علماء عجم ہی نہیں‘ بلکہ ادباء عرب اور بلاد اسلامیہ کے محدثین وفقہاء بھی ان کے علمی تبحر کی داد دیتے ہیں، مفتی اعظم فلسطین ہوں یا مصر کے علامہ جوہری‘ طنطاوی‘ محمد علی نقشبندی البخاری سب مولانا کی دقت نظر‘ وسعت مطالعہ اور علمی قابلیت کے دلدادہ وگرویدہ تھے.....مولانا کی علمی حیثیت کا عالم شاید برسوں نہ پیدا ہو سکے‘ ان میں ذاتی جوہر تو تھا ہی‘ مگر اس پر سونے کا سہاگا یہ ہوا کہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رہنمائی وسرپرستی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اعزاز علی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ کی شاگردی نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا‘ ان کی ذاتی قابلیت اور علمی لیاقت مسلم، مگر ان بزرگوں کی رہنمائی اور رہبری سے مولانا میں علمی بصیرت کے نئے سوتے پھوٹ نکلے، ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک حرف علوم ومعارف سے لبریز اور حقائق واسرار الٰہی کا نقیب ہو گیا تھا۔ انہوں نے بزرگوں کی خدمت‘ علم سے سچی لگن اور مقصد حیات سے پر خلوص وابستگی کا وہ نمونہ پیش کیا کہ ان کے چھوٹے بڑے ہم عصر یہاں تک کہ دشمن بھی معترف ہو گئے۔ کیوں نہ ہوتے۔ آوازۂ حق ہمیشہ بلند ہو کر رہتا ہے۔ یہ مولانائے موصوف کا علم وفضل اور خلوص ہی تھا کہ مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بزرگ اور مردم شناس نے

انہیں صرف تین چار بار کی حاضری میں ہی اچھی طرح پہچان لیا تھا اور ان کی استعداد کا اندازہ لگالیا تھا اور انہیں اجازت دے کر مجازِ صحبت کی مسند پر متمکن فرمایا۔ یہ تو تھا دوسروں کی نگاہ سے مولانا کے علم وفضل کا جائزہ۔ اب ان کے اپنے ذاتی جوہر کا بھی اندازہ لگائیے۔ جامع ترمذی کی شرح معارف السنن کے عنوان سے ایک دو جلدوں میں نہیں، بلکہ تین ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی چھ جلدوں میں ہے اور بات ابھی صرف حج تک ہی پہنچی ہے۔

مولانا کی نگاہ بڑی نکتہ رس، نبض شناس اور عمیق ہوتی تھی۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے، اس کا حق ادا کر دکھاتے۔ مولانا علم کا سمندر تھے، مگر اس سمندر کو بحرِ بیکراں بننے کی ہر لحہ خواہش تھی۔ جہاں جاتے، وہاں کے علماء وفضلاً سے ملاقات کے علاوہ علمی مدارس، مذہبی ماحول اور اسلامی روایات کا بھی جائزہ لیتے، خاطر خواہ مستفید بھی ہوتے اور اپنی معلومات سے اپنے ملنے والوں کو بھی مستفیض فرماتے۔ ۱۹۶۶ء میں ستمبر کے مہینہ میں شیخ ازہر کی دعوت پر مولانا جامع ازہر گئے اور مجمع البحوث الاسلامیہ کی تیسری سالانہ کانفرنس میں شرکت کی، بامعہ ازہر اور اس کے مختلف شعبہ جات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بھی بڑی تفصیلی گفتگو کی، جسے بینات شعبان ۱۳۸۶ھ کے شمارے میں شائع بھی کرادیا گیا۔ وہاں کا بجٹ، علماء کا سرسری تذکرہ، سب کچھ مولانا نے صفحہ قرطاس پر سمیٹ لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادارۂ تحقیقات اسلامی اور مجمع البحوث کا بڑا ناقدانہ اور تقابلی مطالعہ کیا۔ انہوں نے یہ بات بڑے سلیقے سے واضح کردی کہ مصر میں تحقیق وتدقیق کا کیا طریقہ ہے۔ ان کے یہاں تحقیقات کس انداز سے ہوتی ہیں:

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا تیرے بعد

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ علم وفضل صرف شرح ترمذی تک ہی محدود تھا یا مولانا کو چرغ نیلی فام سے پرے دیکھنے کی بھی عادت تھی۔ جی ہاں علوم عربی وفارسی ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے، اردو ان کے گھر کی لونڈی کے فرائض انجام دیتی۔ محاورات، ضرب الامثال۔ استعارے، تشبیہات ان کی طرز تحریر کے نگینے۔ شگفتگی ان کا طرۂ امتیاز، سلاست وروانی ان کی خوبی۔ بے دریغ تنقید ان کا شیوہ اور حق گوئی وبیباکی ان کی جواں مردی کی دلیل تھی۔ اردو ادب وانشاء پر ان کی کوئی مستقل تصنیف نہ تھی۔ البتہ عربی زبان میں ان کی کئی تصانیف بڑے معرکہ کی تصور کی جاتی ہیں۔ ''نفحة العنبر''، ''بغية الاريب''، ''يتيمة البيان'' اور ''معارف السنن'' کو اہل عرب کبھی بھول نہیں سکتے۔ عجمی ہونے کے باوجود مولانا نے اپنی عربی دانی کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ اہل عرب کو بھی دانتوں تلے انگلی دبانی پڑتی ہے۔ وہ عربی زبان میں پورے عبور واعتماد کے ساتھ گفتگو کر سکتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ نہایت سادہ وسلیس عربی لکھ لیتے تھے۔ مصر، لیبیا، سعودی عرب جہاں کہیں بھی

گئے اپنے مافی الضمیر کا اظہار بڑی سلاست وشگفتگی سے کرتے' عربوں کو آپ کی عربی پر رشک ہوتا۔ علماء عرب اس پر استعجاب کرتے کہ ایک عجمی ہو کر عربی علوم ومعارف پر یہ دسترس۔ کوئی تو آپ کو استاد مانتا اور کوئی آسمانی فرشتہ۔ کسی کو آپ کا علم حیرت میں ڈالتا' کسی کو آپ کی غیر معمولی قوت حافظہ گرویدہ کر جاتی۔

مولانا بڑے نڈر' بیباک اور حق گو مصنف تھے۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ: حضرت! آپ کی بے باک تحریر دیکھ کر دل کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو اقتدار اعلیٰ کے ہاتھوں نقصان نہ پہنچ جائے۔ فرمانے لگے۔ ''بھئی علماء کو حق بات کہنے سے گریز نہ کرنا چاہئے' چاہے اس میں جان کی بازی ہی لگانی پڑے۔''

سودا قمار عشق میں مجنوں سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا جاں تو دے گیا

اس زمانہ میں علماء کی گرفت ہو رہی تھی اور کس کے ہاتھوں؟ اسی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ایوب خاں کے ہاتھوں' جس نے اسلام کو ماڈرن اسلام بنانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ ادھر مولانا کا انداز تحریر بھی شدید سے شدید تر ہو رہا تھا۔ ہر لحہ ان کی عافیت کے لئے پرخطر تھا۔ جبر واستبداد کے شکنجے انہیں کسی وقت بھی اپنی گرفت میں لے سکتے تھے' مگر یہ مولانا کا ہی دم تھا کہ اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہے۔ حکایات جنوں رقم کرنے میں وہ کبھی دریغ نہ کرتے۔

بات جب جرأت اظہار اور قلمی پیکار کی ہی چل نکلی ہے تو ان کی بے دریغ تنقید اور بے لاگ تبصرہ کا بھی ذکر ضروری ہے۔ دور استبداد' ظلم وجفا میں بھی ان کے قلم کی روانی دیکھئے اور ان کی جرأت کی داد دیجئے۔ ایوب خان کا دور دورہ تھا۔ اسلامی قوانین بھی ظلم وآمریت کے شکنجوں میں لائے جا رہے تھے' آواز حق دبانے کے لئے جیل خانوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ طوق ورسن کا سلسلہ دراز تھا۔ ساری دینی فضا سیاسی ہتھکنڈوں سے زہر آلود ہو رہی تھی۔ عائلی قانون بڑے آب وتاب سے جلوہ افروز ہو چکا تھا۔ فقہی مسائل پر ڈکیتی کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی اپنی نام نہاد تحقیق پیش کر رہا تھا۔ قادیانیت کو عروج تھا۔ ایم۔ ایم احمد اور ڈاکٹر فضل الرحمان کا طوطی بول رہا تھا۔ معاشی فضا سے دینی فضا تک تمام کی تمام حلقہ دشمناں اور نرغہ اعداء میں تھیں اور دوسری طرف مولانا اکیلے تن تنہا۔ اس جور واستبداد کے خلاف اپنے قلم کا علم اٹھائے اسلامی اقدار کی سربلندی کے لئے کوشاں تھے۔ ایوب خان جیسے جابر ومطلق العنان حکمراں کے سامنے جنبش لب کی کسے ہمت تھی؟ صحافیوں کے قلم پاؤں تلے کچل دیئے گئے تھے۔ علماء کی ڈاڑھیوں کی تضحیک ہو رہی تھی۔ چاند کا مسئلہ سیاسی مسئلہ بن کر کھڑا ہو گیا تھا' مگر اسی یورش وطوفان میں مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا قلم کیا لکھتا ہے:

''تقریباً ایک صدی بعد ایک حصہ متحدہ ہندوستان کا دوبارہ پاکستان کے نام سے مسلمانوں کے اقتدار

میں دیا گیا۔ یہاں ابتدائی دور کے چند سالوں کے بعد ایسے حکمران آتے گئے جن کی طرف سے دین اسلام کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا رہا جیسے کوئی دشمن اسلام طاقت اسلام سے دیرینہ انتقام لینا چاہتی ہو۔ حق تعالیٰ کا نظام ہے آخر کار ان ظالموں کو ذلیل کیا گیا' ان کے بعد نظم مملکت اور زمام اقتدار ایک ایسے شخص کے ہاتھ آئی جس سے شروع شروع میں توقع تھی کہ شاید اس کے ذریعہ سابقہ دور کی تلافی ہو جائے گی' اسلام کا بول بالا ہوگا اور اہل اسلام کی عظمت رفتہ ایک بار پھر واپس آ جائے گی' لیکن افسوس کہ اس دور میں اس دین کے تمام شعبوں کی تباہی و بربادی سابقہ ادوار سے کہیں زیادہ ہوئی۔''

مولانا نے کسی دور میں اپنی خو نہیں تبدیل کی' وہ بکاؤ مال نہ تھے۔ حق پر رہنا۔ حق کہنا اور حق پر مرمٹنا ان کی زندگی کا اصول تھا۔ ان کا قلم اسی جولانی سے چلتا رہا۔ وہی رقم کرتا رہا جو دل پر گذرتی..... اپنی صحت و تندرستی پر نظر نہ کی۔ عمر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مولانا ان سب چیزوں سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ جاتے۔ خانقاہی زندگی بساتے اور دنیا دنی سے بیزار ہو جاتے، مگر وہ آخری دم تک ان طاغوتی قوتوں سے نبرد آزما رہے، اسلامی اقدار اور تہذیب کا نعرہ لگاتے اور دین و ایمان کا علم بلند کئے رہے' انہوں نے ''بینات'' کے اوراق پر اپنی بہترین صلاحیت کے نمونے بکھیرے ہیں اور کبھی ہٹلر۔ مسولینی جیسے ڈکٹیٹروں کے سامنے سر نہیں ڈالی' وہ وہی لکھتے رہے جسے حق سمجھتے رہے۔ دنیاوی لالچ۔ ظلم و ستم سب ان کے سامنے آتے رہے' مگر وہ سب سے بے نیاز اپنے مالک حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے قلمی جہاد کرتے رہے۔ وہ علمی طور پر بھی جہاد سے گریز نہیں کرتے تھے' بھٹو کے دور میں مولانا کا قلم کس روانی اور بیباکی سے چلتا ہے، اس کا اندازہ درج ذیل سطروں سے ہوگا:

''ملک پر جو نظام اب تک مسلط رہا ہے اور جو نظام مسلط کیا جا رہا ہے' تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ناکام ہے۔ دلوں میں اب اضطراب ہے، دماغوں میں بے چینی ہے' امن و امان مفقود ہے' کسی کی جان و مال و آبرو محفوظ نہیں' عیاشوں اور بدمعاشوں کو آزادی مل گئی ہے، شراب نوشی اور قمار بازی سے خدا کی مخلوق تنگ آ چکی ہے، عریانی و بے حیائی نے پاکستان کو رسوا کر دیا ہے، خدا کی مخلوق پر رحم کرو اور اپنی جانوں پر رحم کرو۔'' (''بینات'': جنوری ۱۹۷۷ء)

اس قسم کے ارشادات فروری ۱۹۷۷ء کے بینات میں بھی ان کے قلم کی زبان سے نکلتے ہیں:

''دنیا ایک عبرت کدہ ہے' رات دن اور صبح و شام عبرت انگیز واقعات آنکھوں کے سامنے آتے ہیں' ظالموں کا انجام بھی دیدۂ عبرت سے مخفی نہیں' عاد و ثمود کے واقعات تو جانے دیجئے' عصر حاضر کی تاریخ بھی نو بہ نو واقعات سے لبریز ہے' حق تعالیٰ عقل و فہم نصیب فرمائے۔''

مولانا یہ سب کچھ لکھنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ اہل ہوس و اقتدار اپنی پرانی روش، ظالمانہ رویہ اور مجرمانہ

حرکات کو ترک نہیں کرتے تو ان کی طبیعت پر بڑا اثر ہوتا ہے اور ان کا قلم کچھ اور تیز ہو جاتا ہے۔ ان کا جلال نقطۂ کمال پر پہنچتا ہے اور قلم تلوار کا کام کرتا ہے، مردہ دلوں میں ایک تحریک کی شکل پیدا ہوتی ہے، مقصد اور منزل کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کو استقامت ملتی ہے، پژمردہ دلوں میں امید کی کرن پھوٹتی ہے، اللہ کی رحمت کے جویا تندہی سے اسلامی نظام کے لئے گامزن ہو جاتے ہیں:

''کیا اس ملک میں ایسا قانون بنا جس سے انسانی شرافت محفوظ ہو؟ آبرو محفوظ ہو، مال محفوظ ہو، جان محفوظ ہو، کیا اللہ تعالیٰ کا قانون عدل نافذ کیا؟ کیا شراب کو بند کیا گیا؟ کیا زنا پر اسلامی سزا جاری کی گئی؟ کیا چکلے بند کئے گئے؟ کیا شراب خانے ختم کر دیئے گئے؟ بلکہ بے حیائی۔ شراب خوری آبروریزی کو دور حاضر کے ہر ذریعے سے اتنا اچھالا گیا کہ عقل دنگ رہ گئی، کیا مسلمانوں کی املاک محفوظ ہیں؟ کیا کارخانے محفوظ ہیں، کیا انڈسٹری محفوظ ہے؟ حکومت کا خزانہ بھی خالی ہو گیا۔ قوم بھی فقر و فاقے میں مبتلا ہو گئی۔ ان دعویداروں نے ملک اور ذرائع آمدنی کی کیا گت بنائی ہے۔ غرض نہ دین کی ترقی ہے نہ دنیا کا سکون۔ دنیا تباہ، دین تباہ، اخلاق تباہ، انسانیت ختم، حیا کا جنازہ نکالا گیا۔''

جب بھٹو کے عہد میں ظلم و ستم اوج کمال پر تھا۔ مارچ میں بدعنوانیوں اور دھاندلیوں سے قوم بیزار ہو چکی تھی، مئی کا مہینہ آن پہنچا۔ گولیاں۔ کرفیو۔ گرفتاریاں اپنے عہد شباب پر تھیں، خون اور پسینہ ایک ساتھ بہہ رہا تھا۔ لوگوں کو امن و عافیت کے لمحے میسر نہ تھے، مولانا پر بھی اس کا تاثر کیا تھا؟ انہیں کے قلم سے لکھی ہوئی داستان سنیئے اور اندازہ لگائیے کہ کس کرب کے عالم میں مولانا نے یہ چند سطریں لکھی ہوں گی:

''اگر ہٹلر و گوبلز اور ہملر و مسولینی کا انجام پیش نظر ہو تو ہر ڈکٹیٹر مزاج حکمراں کے لئے مقام عبرت ہے۔ ظلم و تشدد کے ہتھیار کی عمر بہت کم ہوتی ہے، حق تعالیٰ نے کسی ظالم و جابر حکمراں کو اپنی خدائی نہیں دی ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، گذشتہ ادوار میں یورپ و ایشیا میں جو ظالم و سنگدل حکمراں آئے ان کا عبرت ناک انجام دنیا نے دیکھ لیا۔''

مولانا نے ہر ہر طریقے سے اقتدار اعلیٰ کو سمجھایا، نشیب و فراز دکھائے، ان کی غیرت کو للکارا، احساس کو جھنجھوڑا، مگر کوئی خاطر خواہ اثر نہ دیکھ کر آخر آخر یہ پیشین گوئی بھی کی کہ ظلم کا بدلہ دنیا ہی میں ملتا ہے:

''ہم صاف صاف یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ بلاشبہ بدکرداری کی سزا تو آخرت میں ملے گی جو صحیح معنی میں دار الجزاء ہے، لیکن حق تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا کو ایک حد تک آخرت کا نمونہ بنایا گیا ہے، عبرت کے لئے کہ چشم بصیرت دیکھ لے، دنیا میں بھی کچھ نمونہ سزا کا مل جاتا ہے، یوں ہی نہیں چھوڑا جاتا۔ آخر پاکستان کے سابق حکمرانوں کا حشر بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ملک کے غدار ہوتے ہیں ان کا حشر کتنا حسرت ناک ہوتا ہے۔''

جو بات مولانا سمجھاتے رہے وہ سمجھ میں نہ آئی۔ آخر کار بات وہی پیش آئی، اقتدار کا نشہ ختم ہوگیا۔ بساط بچھ گئی، ظلم کی ٹہنی نہ پھلی اور کاغذ کی ناؤ نہ چلی، اسلامی نظریات کی کونسل تشکیل پائی، مولانا بنوری کو اس کا اہم رکن بنایا گیا، مغروروں کو اللہ تعالیٰ نے ذلت ورسوائی سے ہمکنار کیا۔ مولانا کامیاب وکامران رہے۔ فاسق وفاجر عمال حکومت اپنی سزا بھگت رہے ہیں اور خدا جانے اب ان کا کیا حشر ہو۔ دنیا میں جو رسوائی ہوئی وہ الگ، آخرت کی خبر خدا جانے۔

عاشقان رسول کا جب بھی تذکرہ ہوگا، اس میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی جلی حروف سے لکھا جائے گا۔ جھوٹے نبی ہر دور میں منصۂ شہود پر آتے رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کے لئے موسیٰ کا بھی انتظام کیا ہے، پہلے ہندوستان اور پھر پاکستان میں قادیانیت کا فروغ ہوتا رہا، قادیان سے ربوہ۔ ربوہ سے اسلام آباد تک فضا مسموم ہوتی رہی۔ قادیانیت کی اس بڑھتی ہوئی خباثت پر مولانا کا دل کڑھتا اور کبھی ان کا دل ودماغ اس سلسلے میں اتنا متاثر ہوتا کہ وہ اس نہج پر سوچنے لگتے:

''دنیا بھر کے ستر کروڑ مسلمانوں کے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ان کا قبلہ اول تو یہودیوں کے قبضے میں ہے اور اللہ کا پیارا گھر قادیانی مرتدین کی یلغار کی زد میں ہے، رب کعبہ! تو بے نیاز ہے۔ ہمیں یہ روز بد بھی دیکھنا تھا کہ کعبہ کے پاسبانوں کے سامنے کعبے کی حرمت یوں لٹے گی، کون کہہ سکتا تھا کہ بیت المقدس پر موشے دایان اور حرم مقدس پر ظفر اللہ قادیانی مرتدیوں دندناتے پھریں گے اور پھر بھی عرب کے سادہ لوح ٹیلیویژن پر مرزا ناصر کے دورے کی فلمیں دیکھیں گے۔ کاش! عالم اسلام کے ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت نہ مرجاتی یہ خود مرجاتے تاکہ قیامت کے دن رب کعبہ کے سامنے روسیاہ نہ ہوتے۔''

۱۹۵۳ء میں قادیانی تحریک میں کتنی جانیں حضور اکرم ﷺ کی ناموس پر دیوانہ وار فدا ہوئیں، ۲۰ سال کی مسافت کے بعد فتنہ قادیان مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کیفر کردار کو پہنچا۔ جمہور امت نے مولانا کی اس بے مثال قیادت پر انہیں صرف مبارک باد ہی نہ دی، بلکہ ان کی ضعیفی میں بھی شباب کی سی باتیں پاکر انہیں داد وتحسین کے نعروں کی گونج میں اپنے کاندھوں پر اٹھالیا، مگر ان کو اس مقبولیت اور شہرت سے زیادہ خوشی نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ یہ اپنا فریضہ تصور کرتے تھے، بلکہ مولوی محمد تقی عثمانی سے تحریک کے دوران سراپا عجز وانکسار سے یہ کہتے رہے کہ میں ذاتی شہرت سے بہت ڈرتا ہوں، کیونکہ اس سے اس عظیم تحریک کے مقصد کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ مرزائیت ۱۹۷۴ء میں ختم ہوگئی، مار آستین کی صرف نشاندہی نہ ہوئی، بلکہ اس کا سر کچلا گیا اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد دنیا نیاز مند سرخروئی سے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے کمربستہ ہوا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک کے دوران کبھی مولانا کا پاسپورٹ چرالیا گیا کہ مولانا حج وعمرہ کی

سعادت حاصل نہ کرسکیں، کبھی مقامی اخبار کے صفحہ اول پر اشتہار کئی دنوں تک چھپتا رہا کہ مولانا ہندوستانی ایجنٹ ہیں، انگریزوں کے نمک خوار ہیں اور محبّ وطن پاکستانی نہیں ہیں، مگر حق حق ہو کر رہا۔ اور باطل قوتیں شکست خوردہ ہو کر ذلیل ورسوا ہوئیں، مولانا نے کئی حج اور عمرے ادا کیئے اور ۹ بار مسجد نبوی میں معتکف ہوئے۔ مسجد نبوی اور رمضان کا مہینہ کسے نصیب۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں فرشتے پرے باندھے ہمہ وقت کھڑے رہتے ہیں۔ رحمت کا مسلسل نزول ہوتا ہے، کیفیات کا عجیب عالم ہوتا ہے، اس جگہ پر مولانا کا اعتکاف اور عبادت میں مشغول رہنا ہی ان کی مقبولیت کی بین دلیل ہے۔ وہ اپنے آقا حضور اکرم ﷺ کے سامنے سرخرو ہو کر جانا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا پوری کی اور مخالفین ذلت ورسوائی کے داغ لئے پھرتے ہیں۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔

> ''حکومت وسلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے:
>
> ۱- اقامۃ الصلوٰۃ (نماز کی پابندی)
>
> ۲- ایتاء الزکوٰۃ (نظام زکوٰۃ کا قائم کرنا)
>
> ۳- امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا)
>
> ۴- نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا)
>
> (بصائر وعبر، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ)